یکے از مطبوعات جامعہ سلفیہ

اسلام کا تصورِ قانون

پروفیسر غلام احمد حریری ایم۔ اے

جامعہ سلفیہ لائلپور

یکے از مطبوعات جامعہ سلفیہ

اسلام کا تصوّرِ قانون

پروفیسر غلام احمد حریری، ایم - اے

جامعہ سلفیہ لائلپور

بار ——— اوّل

تعداد ——— ایک ہزار

تاریخ اشاعت ——— ۷ر نومبر ۱۹۷۲ء

ناشر ——— جامعہ سلفیہ، لائل پور

کتابت ——— خالد دفتر کتابت چنیوٹ بازار لائلپور

طباعت ——— عبارت پرنٹرز، لاہور

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

پیش لفظ

قانون کے ضمن میں اہم ترین بات یہ ہے کہ مختلف اقوام کے قانونی نظام باہم دگر مختلف ہوتے ہیں۔ ہر قوم کا قانون اس کے اپنے افکار، احساسات اور خیالات کا آئینہ دار ہوتا ہے اور اس میں قوم کے اخلاقی، تہذیبی، معاشرتی اور سیاسی خیالات کا عکس موجود ہوتا ہے۔ چین کا نظام قانون برازیل سے اتنا ہی مختلف ہو گا جتنا اختلاف دونوں قوموں کے معتقدات و نظریات میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اپنے خصائص کی بنا پر تشکیل شدہ قوانین کی حفاظت کیلئے قوم ہر آن کمربستہ رہتی ہے ورنہ اُن کے قومی وجود اور تشخص کو تباہی کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یہودی قوم کی مثال ہمارے سامنے ہے۔ کون سی مصیبت ہے جو ان پر نہیں آئی۔ بارہا جلاوطن ہوئے۔ ان کے شہر غارت ہوئے، ان کی آبادیوں کو تہ تیغ کیا گیا۔ ان کی وحدت کو ختم کرنے کیلئے انہیں ساری دنیا میں بکھیر دیا گیا اور پھر ہر جگہ ان پر عرصۂ حیات تنگ کیا گیا (اگرچہ یہ سب کچھ خود انہی کی سرکشیوں اور بے اعتدالیوں کے سبب ہوتا رہا) لیکن یہ قوم آج بھی صفحۂ ہستی پر موجود ہی نہیں دندنا رہی ہے۔ اس کی واحد وجہ یہ ہے کہ ان لوگوں نے کسی بھی دور میں اور کسی بھی ملک میں دوسروں کے آئین و قانون کو اپنے اُوپر مسلط نہیں ہونے دیا۔ ان کی وفاداری سب سے پہلے اپنے خود ساختہ قانون سے تھی اور اس کے بعد حکمرانوں کے قانون کا نمبر آتا تھا۔

لیکن مقام افسوس ہے کہ ممالک اسلامیہ میں بڑی حد تک اپنے قانون کے بارے میں عصبیت ختم ہو چکی ہے۔ مدافعت کی جگہ مداہنت لے چکی ہے۔ طویل اقتصادی اور سیاسی غلامی کے باعث اقوامِ غیر کے ضابطہ ہائے قوانین ہمارے ذہن و فکر پر اس قدر چھا گئے ہیں کہ اب ہم نے شریعت اسلامیہ کو موجودہ دور کی ضروریات اور تقاضوں کو پورا کرنے کے ناقابل سمجھنا شروع کر دیا ہے۔ ہمارے نام نہاد رہنما ہمیں کہتے ہیں کہ قرآن سے ہمیں آئین و قانون کے بارے میں کوئی راہنمائی نہیں ملتی۔ اسلام نے طرزِ حکومت اور آئین حکومت کے بارے میں خاموشی اختیار کر رکھی ہے۔ مذہب صرف انسان

کی نجی زندگی تک محدود ہے اور معاملاتِ ریاست و سیاست سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔
یہ کتنا بڑا فریب ہے جو ہمیں دیا جا رہا ہے۔ حالانکہ ہجرتِ مدینہ جس نے کفر و اسلام کی کسوٹی کی صورت اختیار
کر لی تھی اس کا مقصد ہی ریاستِ مدینہ کا قیام تھا اور جس کے قیام کے ساتھ ہی میثاقِ مدینہ ظہور میں آیا۔ اس میثاق
کی روح اور عبارت ایسے لوگوں کی غلط فہمی کو دور کرنے کیلئے کافی ہے۔ یہ ریاست دنیا میں ایک مثالی ریاست تھی
جس میں خدا کی حاکمیتِ اعلیٰ اور انسان کیلئے اسکی نیابت کا اعلان کیا گیا۔ اس کا قانون حاکمِ مطلق کی طرف سے نازل
شدہ ایسی وحی و الہام پر مبنی ہے جس میں قیامت تک کیلئے انسانی ضروریات و مقتضیات کو پیشِ نظر رکھا گیا ہے
انسانوں کے بنائے ہوئے قوانین وقتی قواعد سے عبارت ہیں جنہیں وہ خود اپنے معاملات کی تنظیم اور ضروریات کی تکمیل کے
لئے وضع کرتے ہیں لیکن ان کے ساتھ مشکل یہ پیش آتی ہے کہ اگر یہ قواعد آج کی سوسائٹی کی سطح سے مطابقت رکھتے
ہیں۔ تو کل سوسائٹی کے حالات سے بہت پیچھے رہ جاتے ہیں۔ یہ وقتی اور عارضی ہوتے ہیں کیونکہ ان کے ڈھانچے کو تجربہ
تھوڑی مدت میں ناکارہ قرار دیکر میدان سے خارج کر دیتا ہے۔

اسکے برعکس اسلامی قانون میں ہمارے حاکمِ مطلق نے ہماری زندگی کے ہر گوشے سے متعلق اصولی اور بنیادی
حدود کا تعین کر دیئے ہیں اور ان حدود کے دائرے میں عمومی رہنمائی دیکر ہمیں آزاد چھوڑ دیا گیا ہے، اور قیاس،
استحسان، مصالح مرسلہ اور عرف وغیرہ کے اصول کو پیشِ نظر رکھکر ہر ماحول کے لحاظ سے اس میں تبدیلی اور ترقی کی حوصلہ
افزائی کی ہے۔ اس ساری بات کو مختصر انداز میں یوں بھی ادا کیا جا سکتا ہے کہ دوسرے دنیاوی قوانین کو سوسائٹی وضع کرتی
ہے جبکہ اسلامی قانون خود ایک معاشرے کو جنم دیتا ہے۔

پاکستان کی تاریخ میں یہ دور بہت اہم ہے کیونکہ ان دنوں ملک کے آئین و قانون کی تیاری کا دور دورہ ہے۔
آئین کے مختلف پہلوؤں پر بحث و نظر کا سلسلہ شروع ہے۔ ایسے میں ضروری محسوس ہوا کہ اسلام کے قانونی تصور
کی وضاحت بھی اربابِ اختیار اور عوام کے سامنے کی جائے تاکہ ملک کیلئے اسلامی دستور کی ترتیب و تشکیل میں ہم بھی اپنا
فرض پورا کر سکیں۔ مخدومی جناب پروفیسر غلام احمد حریری صاحب کے ہم انتہائی ممنون ہیں کہ انہوں نے اس موضوع
پر اپنا گرانقدر مقالہ شائع کرنے کی اجازت عطا فرمائی ہے۔ انکے شکریے کے ساتھ میں یہ مقالہ ہدیۂ قارئین کرتا ہوں۔ والسلام

جامعہ سلفیہ، لائل پور
۷ نومبر ۱۹۷۲ء

محمد سلیمان اظہر

اسلام کا تصوّرِ قانون

اس سے قبل کہ اسلام کے تصورِ قانون کو زیرِ بحث لایا جائے، میرے خیال میں مناسب ہوگا کہ پہلے لفظِ قانون کے لغوی و اصطلاحی مفہوم پر روشنی ڈالی جائے اور پھر یہ عرض کیا جائے کہ قانون کے بارے میں اسلامی زاویۂ نگاہ کیا ہے؟

اس ضمن میں گزارش ہے کہ لفظ قانون اپنی اصل کے لحاظ سے ایک یونانی لفظ ہے جو سریانی کے ذریعہ عربی زبان میں آیا۔ یہ لفظ یورپ کی زبانوں میں قانونِ کلیسا کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

(انسائیکلو پیڈیا آف اسلام نیز تاج العروس، جلد ۶ صفحہ ۳۱۵ ولسان العرب جلد ۱۷ صفحہ ۲۲۹)

فقہائے اسلام اپنی اصطلاح میں لفظ قانون شاید ہی استعمال کرتے ہیں، بلکہ اس کے بجائے شرع، شریعت، فقہی احکام وغیرہ الفاظ استعمال کرتے ہیں۔

اس لفظی تحقیق کے بعد سوال یہ ہے کہ قانون کا اصطلاحی مفہوم کیا ہے؟ یہ سوال جتنا مختصر ہے اس کا جواب اتنا مختصر نہیں، خصوصاً مجھ ایسے غیر قانون دان شخص کے لئے اس گتھی کو سلجھانا خاصا دشوار ہے۔ ایک مشہور مقولہ ہے کہ "جہاں پہ قانون ختم ہوتا ہے۔ وہاں ظلم و استبداد کا آغاز ہوتا ہے"۔ اس میں شک نہیں کہ یہ ایک زبردست صداقت کا اظہار ہے۔ ایک معروف قانون دان ڈچ ہالینڈ، کہتا ہے کہ "قانون آزادی کے قلعہ کا دربان ہے۔ یہ ہر شخص کے حقوق متعین کرتا اور فرد کی آزادی کی حفاظت کرتا ہے"۔

مگر اس اہمیّت کے باوصف قانون کے بارے میں "کثرت تعبیرھا" کا یہ حال ہے کہ اگر بیس قانون دانوں کو قانون کی تعریف بیان کرنے کے لئے کہا جائے تو ہمیں بلا مبالغہ کم از کم بیس مختلف قسم کے جواب سننے کے لئے تیار رہنا چاہیئے۔ اس لئے قانون کی لاتعداد تعریفات کو نظر انداز

کرتے ہوئے میں وہ تعریف ذکر کرتا ہوں جو فلسفہ قانون کی مشہور کتاب THE POCKET LAW کے مصنف نے ذکر کی ہے۔ وہ لکھتا ہے :۔

"انسانی اعمال کے وہ قواعد جن کی پابندی لوگوں کے لئے لازمی کردی گئی ہو یا معاشرہ کے کسی گروہ کے اعمال کے لئے ایک منظور شدہ حکم نامہ کو قانون کہتے ہیں۔"

قانون کی ضرورت

قانون کی تعریفاتِ کثیرہ سے دامن بچاتے ہوئے عرض کرتا ہوں کہ قانون کی ضرورت و اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ چنانچہ میں قانون کی اہمیت کو فلسفہ تاریخ کے بانی اور اسلام کے نامور فلاسفر ابن خلدون کے الفاظ میں پیش کرتا ہوں، آپ فرماتے ہیں :۔

"چونکہ انسان مدنی الطبع واقع ہوا ہے لہٰذا اس کے لئے اجتماعی زندگی ناگزیر ہے۔ حکماء اس کو مدنیت کہتے ہیں اور اسی کا نام عمران ہے۔ انسان کے مدنی الطبع ہونے کے معنی یہ ہیں کہ انسان اپنی زندگی کی تمام ضروریات تنہا خود مہیا نہیں کرسکتا بلکہ نوع انسانی کی زندگی، سوسائٹی اور باہمی تعاون کے بغیر ممکن نہیں۔ جب مل جل کر زندگی گذاری جائے تو اس بات کی ضرورت پیش آتی ہے کہ آپس میں لین دین کیا جائے، اور ضروریاتِ زندگی فراہم کرنے کے لئے ایک دوسرے سے مدد لی جائے۔ انسان کے حیوانی جذبہ کا تقاضہ یہ ہے کہ ایک دوسرے کی طرف دستِ ظلم دراز کرے اور دوسرا اس کی مدافعت کرے۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں خون ریزی تک نوبت پہنچ جاتی ہے۔ لہٰذا اندریں حالت ایک بااختیار حاکم کے بغیر جو ظلم و تعدی کو مٹا کر عدل و انصاف کو قائم کرسکے دنیا میں نوعِ انسانی کی بقاء ممکن نہ تھی۔ قانون اسی ضرورت کو پورا کرتا ہے۔"

(مقدمہ ابن خلدون صـ ۳۵ و ۱۶۲)

مندرجہ صدر حقیقت کا یہ بدیہی نتیجہ ہے کہ قوانین و شرائع معرض وجود میں آئیں تاکہ افراد

کے باہمی مخاصمات کا فیصلہ کیا جا سکے، اور ان قوانین کے پیشِ نظر ہر فرد کے حقوق کی تعیین ہو جائے اور اس سے باہمی نزاع و جدال کی روک تھام ہو سکے۔

ابتدائی دور میں چونکہ انسانوں کی اجتماعی زندگی بالکل سادہ تھی اس لئے ان کے عادات و رسوم بھی سادہ تھے۔ اس زمانے میں قوانین کا نفاذ قبیلہ کی رائے عامہ اور اس کے سردار کے اقتدار پر موقوف تھا۔ اور کبھی بمصداق "جس کی لاٹھی اس کی بھینس" انفرادی اقتدار پر بھی۔

جب انسانی تمدّن ترقی پذیر ہوا تو اس سے معاشرہ کے حالات بھی بدلے۔ انسانوں میں مختلف قسم کے روابط و مراسم استوار ہوئے اور ان میں پیچیدگیاں اور دشواریاں پیش آنے لگیں۔ حقوقِ انسانی کی حفاظت کے لئے واضح قوانین کی ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ قوانین عادات و رسوم سے الگ ہونے لگے۔ سردارِ قبیلہ کی جگہ حکومت نے لے لی جو اپنی اجتماعی طاقت کے ذریعہ قوانین کو نافذ کرنے لگی۔

اسلامی قانون کی ہمہ گیری

آمدم برسرِ مطلب۔ قانون کے متعلق مسلمانوں کا زاویۂ نگاہ دُنیا کی دُوسری قوموں کے نقطۂ نظر سے بہت مختلف رہا ہے۔ اسلام زندگی کو ایک ناقابلِ تقسیم وحدت تصوّر کرتا، اور پُوری زندگی کو الہامی زندگی کے تابع بناتا ہے۔ خالقِ کائنات اور رسُولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے انسانی زندگی کی تعمیر و تشکیل کے لئے جو احکام دیئے ہیں، انہی کا نام اسلامی قانون ہے۔ یہ احکام زندگی کے تمام شعبوں کا احاطہ کرتے اور انفرادی و اجتماعی سیاسی و معاشرتی تمدنی اور معاشی دیوانی اور فوجداری ملکی اور بین الاقوامی ہر پہلو کی اصلاح کرتے ہیں۔ اسلام کا تصوّرِ قانون نہایت ہمہ گیر ہے اور مہد سے لحد تک انسان کی پُوری زندگی کے لئے ضابطۂ حیات دیتا ہے۔ اسی ضابطۂ حیات کو زندگی کے تمام شعبوں اور مرحلوں میں جاری و ساری کرنا مسلمان کا بنیادی فرض ہے۔ ایسا فرض جس پر اقامتِ دین کا مدار و انحصار ہے۔

مسلمانوں کے لئے قانون کا سوال کبھی بھی صرف علمی اور نظری نہیں رہا ہے۔ اسلامی قانون ان کے معاشرہ میں ایک زندہ اور متحرک قوت ہے۔ وہ ان کی روزمرہ زندگی کی تشکیل کرتا ہے۔ گذشتہ چودہ صدیوں میں ہر دور اور ہر زمانہ میں ان کی انفرادی زندگی کی شیرازہ بندی یہی قانون کرتا رہا ہے اور آج بھی کر رہا ہے .... البتہ مسلمانوں کے ہاتھ سے سیاسی اقتدار کے نکل جانے سے ملک کا قانون آہستہ آہستہ شریعت اسلامی سے دُوری اختیار کرتا گیا اور مغربی استعمار نے مسلمان ممالک پر مغربی قوانین کو مسلّط کر دیا۔

اسلام ایک جامع نظامِ حیات اور ایک ناقابلِ تقسیم وحدت ہے۔ اس میں مادی، اور رُوحانی، مذہبی اور سیاسی کی کوئی تفریق نہیں، بلکہ اسلام اسی وقت پُورے حُسن اور توازن کے ساتھ قائم و نافذ ہو سکتا ہے جب ریاست کی قوت بھی خدا کے احکام کے تابع اور اسلامی نظام کی محافظ ہو۔ اگر اس میں کوئی خلاء پیدا ہو جاتا ہے۔ تو اسلام کی اجتماعی افادیت کو سخت دھچکا لگتا ہے اور اسلام اپنا صحیح تعمیری پارٹ ادا نہیں کر پاتا۔ اس کو ہمارے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان الفاظ میں ادا فرمایا ہے:۔

"اسلام اور حکومت دو جڑواں بھائی ہیں۔ دونوں میں سے کوئی ایک دوسرے کے بغیر درست نہیں رہ سکتا۔ پس اسلام کی مثال ایک عمارت کی ہے، اور حکومت اس کی نگہبان ہے۔ جس عمارت کی بنیاد نہ ہو۔ وہ گر جاتی ہے، اور جس کا کوئی نگہبان نہ ہو وہ ضائع ہو جاتا ہے"۔ (کنز العمال)

حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کا سب سے بڑا مسئلہ یہی ہے کہ وہ اس نگہبان سے محروم ہو گئے جو نظامِ اسلامی کا محافظ تھا۔ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ یہ عمارت آہستہ آہستہ گرنا شروع ہوئی، رہزنوں اور لٹیروں نے ہر قسم کی لُوٹ مار کی اور مُسلمانوں کی زندگی کا شیرازہ بکھر گیا۔ اسلامی معاشرہ میں وحدت کی جگہ تفریق نے اور ہم آہنگی و توازن کی جگہ تناقض و تضاد نے لے لی۔

اسلام پُوری زندگی پر خدا کے قانون کی حکمرانی چاہتا ہے۔ اسلامی قانون صرف انفرادی

زندگی کے لئے نہیں ہے بلکہ وہ زندگی کے تمام شعبوں پر حاوی ہے بلکہ بالفاظ صحیح تر اس کا اصل دائرہِ عمل اجتماعی زندگی ہی ہے۔ اسی سے زندگی سنورتی ہے اور سوسائٹی میں نیکی رواج پاتی ہے۔ اسلام ایک ہمہ گیر قوت بنتا ہے اور وہ معاشرہ نمودار ہوتا ہے جس پر سیدنا حضرت عیسیٰؑ کے الفاظ میں آسمان اپنی برکتیں نازل کرتا ہے اور زمین اپنے خزانے اُگل دیتی ہے۔ یہ کیفیت صرف اسی وقت پیدا ہوتی ہے جب پوری زندگی پر اسلامی قانون کی حکمرانی ہو اور انفرادی اجتماعی سیاسی اور معاشی ملکی اور بین الاقوامی ہر دائرہ میں اسلامی قانون جاری و ساری ہو۔ اسلام زندگی میں کسی دوئی کو گوارا نہیں کرتا۔ اس کا مطالبہ تو یہ ہے :۔

اُدخلوا فی السّلم کافّۃً ولا تتبعوا خطوات الشیطان (البقرہ)

قرآن انبیاء کی بعثت کا ایک اہم مقصد ہی بتاتا ہے کہ وہ خدا کی زمین پر خدا کے قانون کو نافذ کریں اور انسانوں کے درمیان خدا کی نازل کردہ ہدایت کی روشنی میں انصاف قائم کریں۔

"لقد ارسلنا رسلنا بالبیّنات وانزلنا معھم الکتاب......
والمیزان لیقوم النّاس بالقسط" (الحدید)

نیز فرمایا :۔

ھُوالذی ارسل رسُولہٗ بالھدیٰ ودین الحق لیظھرہ
علی الدّین کلّہ ولو کرہ المشرکون۔ (الصف)

ان آیات سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ

اسلام کا یہ بنیادی مطالبہ ہے کہ ملکی قانون خدا کی شریعت کے مطابق ہو، اور ریاست کی قوت اقامتِ دین کے لئے استعمال کی جائے۔ اگر ایسا نہ ہو تو پھر نہ اسلامی زندگی مکمل ہے نہ اسلامی نظام قائم و فعال ہے اور نہ معاشرہ کو اخلاقی اقدار کی برکتیں نصیب ہیں۔ اس کا لازمی نتیجہ یہی نکلنا چاہیئے کہ زندگی میں تناقض و تضاد رونما ہو اور اسلامی وحدت مجموعۂ اضداد بن کر رہ جائے۔ کیا یہ تناقض نہیں ہے کہ اگر ایک ملک کے باشندے مسلمان ہیں اور وہ اپنے کو خدا کا بندہ

اور غلام سمجھتے ہیں تو یہ کیوں کر ممکن ہے کہ انہی افراد سے جو معاشرہ وجود میں آتا ہے، وہ اجتماعی طور پر اسی مالک اور آقا کے قانون کا باغی ہو جائے۔ انفرادی زندگی میں مسلمان اور اجتماعی زندگی میں فسق و کفر کے علم بردار۔ گھر میں خدا کے اطاعت شعار اور میدانِ سیاست میں مغربی جہالت کے پرستار۔ یہ کیسے ممکن ہے کہ مسلمان اتنے عظیم تضاد کا شکار ہو جائیں؟

اسی تناقض و تضاد کا احساس ہے جس نے مسلمانوں کو نظامِ کفر و فسق میں کبھی چین کی ایک رات اور سکون کا ایک دن بھی گذارنے نہیں دیا۔ اور ہمیشہ اس امر کی کوشش کرتے رہے کہ ان کی اجتماعی زندگی خدا کے قانون کے تابع ہو۔ اور اسلامی شریعت ہر شعبۂ حیات کی رُوحِ رواں بن جائے۔ ہمارے ملک میں حضرت مجدّدِ الف ثانی رحمہ اللہ نے یہی کلمہ بلند کیا۔

حضرت سیّد احمد شہید رحمہ اللہ نے بالاکوٹ کے میدان میں اسی نعرے کو دہرایا۔ آپ نے فرمایا:۔

"صرف یہ آرزو ہے کہ مسلمانوں میں ربّ العالمین کا قانون جاری ہو جائے، لہٰذا جو حیلہ اس مقصد کا باعث بن سکتا ہے، اسے بروئے کار لاتا ہوں اور جو تدبیر اس کے لئے مفید نظر آتی ہے، اس سے کام لیتا ہوں۔"

اسلام میں قانون سازی کا تصوّر

اسلام میں قانون سازی کا دائرۂ عمل کیا ہے ــــــ؟ اس کو سمجھنے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے دو۲ باتیں واضح طور پر ہماری نگاہ میں رہیں:۔

۱۔ حاکمیّت الٰہیہ:۔ اوّل یہ کہ اسلام میں حاکمیت خالصتہً اللہ تعالیٰ کی تسلیم کی گئی ہے۔ قرآنِ عزیز عقیدۂ توحید کی جو تشریح کرتا ہے اس کی رُو سے خدائے وحدہٗ لاشریک صرف مذہبی معنوں میں معبود ہی نہیں ہے بلکہ سیاسی، اور قانونی مفہوم کے لحاظ سے حاکم مطاع امر و نہی کا مختار اور واضعِ قانون بھی ہے۔ خدا کی اس قانونی

حاکمیت کو قرآن اتنی ہی وضاحت اور اتنے ہی زور سے پیش کرتا ہے جس کے ساتھ اس نے خدا کی مذہبی معبودیت کا عقیدہ پیش کیا ہے اس کے نزدیک خدا کی یہ دونوں حیثیتیں اس کی الوہیت کے لازمی تقاضے ہیں جن کو ایک دوسرے سے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا۔ اور ان میں سے جس کا بھی انکار کیا جائے وہ لازماً خدا کی الوہیت کا انکار ہے۔ اس کے برعکس وہ اپنی ساری دعوت ہی اس بنیاد پر اٹھاتا ہے کہ اپنی اخلاقی اور اجتماعی زندگی میں خدا کے اس شرعی قانون کو تسلیم کرنا چاہیئے جو اس نے اپنے انبیاء کے ذریعہ سے بھیجا ہے اور اسی کا نام اسلام ہے۔

۲۔ اتباعِ سنّت:

دوسری بات جو اسلام میں اتنی ہی بنیادی اہمیّت رکھتی ہے جتنی کہ توحیدِ خداوندی۔ وہ یہ ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم اللہ کے آخری نبی ہیں۔ درحقیقت یہی وہ چیز ہے جس کی بدولت توحید کا عقیدہ محض تخیّل سے ایک عملی نظام کی شکل اختیار کرتا ہے اور اسی پر اسلام کے پورے نظامِ زندگی کی عمارت تعمیر ہوتی ہے۔ یہی محمدی تعلیم وہ بالاتر قانون ہے جو حاکمِ اعلیٰ کی مرضی کی نمائندگی کرتا ہے۔

اسلامی قانون محمد صلی اللہ علیہ وسلّم سے ہم کو دو شکلوں میں ملا ہے، ایک قرآن جو لفظ بلفظ خداوندِ عالم کے احکام و ہدایات پر مشتمل ہے۔ دوسرے محمد صلّی اللہ علیہ وسلّم کا اسوۂ حسنہ یا آپ کی سنّت جو قرآن کے منشاء کی توضیح و تشریح کرتی ہے۔ محمد صلی اللہ علیہ وسلّم خدا کے محض قاصد نہ تھے بلکہ وہ اس کے مقرر کئے ہوئے رہنما حاکم اور معلّم بھی تھے۔ ان کا کام یہ تھا کہ اپنے قول و عمل سے قانونِ الٰہی کی تشریح کریں۔ اس کا صحیح منشاء سمجھائیں۔ اس کے مطابق افراد کی تربیت کریں پھر تربیت یافتہ افراد کو ایک منظم جماعت کی شکل دے کر معاشرے کی اصلاح کے لئے جد و جہد کریں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلّم کا یہ پورا کام جو ۲۳ سال کی پیغمبرانہ زندگی میں آپ نے انجام دیا وہ سُنّت ہے جو قرآن کے ساتھ مل کر حاکمِ اعلیٰ کے قانون کی تشکیل و تکمیل کرتی ہے اور اسی کا نام اسلامی اصطلاح میں شریعت ہے۔

بادی النظر میں ایک آدمی مذکورہ صدر حقیقت کو سن کر یہ گمان کر سکتا ہے کہ اس صورت میں تو ایک اسلامی ریاست میں قانون سازی کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں، کیونکہ یہاں تو قانون ساز صرف

خدا ہے۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ اسلام قانون سازی کی نفی نہیں کرتا بلکہ اسے خدائی قانون کی بالاتری سے محدود کرتا ہے۔ اس بالاتر قانون کے تحت اور اس کے قائم کئے ہوئے حدود کے اندر قانون سازی کی اجازت دیتا ہے۔

قانون سازی کے ماخذ

اب سوال یہ ہے کہ اسلامی قوانین کے ماخذ و مصادر کیا ہیں اور اسلام میں قانون سازی کا طرز و انداز کیا ہے؟

۱۔ **قرآنِ مجید:۔** اسلامی قانون کا سرچشمۂ اوّل قرآنِ مجید ہے۔ یہ اسلامی قانون کا اصل الاصول ہے۔ اسلامی شریعت میں قرآنِ مجید کو وہی حیثیت حاصل ہے جو ایک دستور کی ہوتی ہے۔

اس میں منصوص احکام اجمالاً بیان کئے گئے ہیں۔ جزئیات و تفاصیل سے اس میں بحث نہیں کی گئی مثلاً صلوٰۃ و زکوٰۃ کا حکم دیا ہے۔ نماز کی کمیت و کیفیت اور زکوٰۃ کی شرح و مقدار بیان نہیں کی۔ سُنت رسُول ص نے انکی تفصیلات بیان کی ہیں۔ اسی طرح قرآن نے وفائے عہد کا حکم دیا ہے۔ بیع کے حلال ہونے اور ربٰو کی حُرمت کی صراحت کی ہے مگر وہ تفصیلات نہیں بتائیں جن سے معلوم ہو کہ معاہدات کی وہ کون سی شکلیں ہیں جن کی پابندی ضروری ہے۔ کس قسم کے عہد و پیمان باطل اور فاسد شمار ہوتے ہیں۔ یہی حال بیع اور ربٰوا کا ہے کہ بیع و شراء کے انواع کی تفصیلات قرآن میں موجود نہیں۔ ان تمام تفاصیل کو اس نے سنت پر چھوڑ دیا ہے۔

معاملات سیاسی نظم اور اجتماعی زندگی سے متعلق قرآنی نصوص کے اجمال و اختصار میں لاتعداد مصالح پنہاں ہیں اسلئے کہ قرآنی احکام و اوامر زمانے کے ہر دور کیلئے ہیں۔ ارتقائے زمانہ کے ساتھ ساتھ اسکے متقضیات و مصالح میں گوناگوں تغیرات ناگزیر ہیں۔ پس ضروری تھا کہ دائرہ کے نقطہ کی طرح قرآنی احکام و اوامر اپنی جگہ قائم و ثابت رہتے۔ لیکن اس قیام و ثبات کے باوجود ان میں جمود و تعطل نہ ہوتا بلکہ زمانے کے تغیرات کے ساتھ وہ حرکت پذیر رہتے۔ اور یہ صرف اسی صورت میں ممکن تھا جبکہ ان اصول و کلیات پر اکتفا کیا جاتا جن کے دامن میں قیامت تک کی جزئیات و تفاصیل سمٹی ہوئی ہوتیں۔ اور یہی قرآن نے کیا ہے۔

لہذا ہر دور کے مقتضیات و مصالح پر قرآن کے اجمالی نصوص کے مختلف احتمالات منطبق ہوتے چلے جائیں گے اور اس شمع درخشاں کی تابانی اپنی جگہ پر رہے گی اور اس میں زمانہ کی گردش سے نت نئی حقیقتیں نظر آتی رہیں گی۔

مثال کے طور پر قرآن نے سیاست کے باب میں شوریٰ کا حکم دیا ہے مگر اس کی کوئی متعین صورت نہیں بتائی۔ پس شوریٰ کے اس اصولی حکم کی رُو سے یہ بات ضروری قرار پائی ہے کہ اسلام کی نگاہ میں حکومت کا دار و مدار شوریٰ پر ہونا چاہیئے تاکہ اس میں استبداد کی کارفرمائی نہ ہو۔ کسی فرد واحد یا کسی خاص گروہ کا تسلط نہ ہونا چاہیئے۔

عام ازیں کہ یہ مقصد جس طرح بھی حاصل ہو۔ مطلوب نفس شورائیت ہے، اسکی کوئی متعین شکل نہیں۔

۲۔ سُنّتِ رسُول ؐ: اسلامی قانون کا دُوسرا ماخذ سُنّتِ رسُول ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلّم نے قرآنی احکام کو کس طرح نافذ کیا، کس طرح اسلام کے تخیّل کو عمل کا جامہ پہنایا، کس طرح اس تخیّل پر ایک سوسائٹی کی تشکیل کی، پھر کس طرح اس سوسائٹی کو منظم کر کے ایک اسٹیٹ کی شکل دی۔ اور اس اسٹیٹ کے مختلف شعبوں کو کس طرح چلا کر دکھایا۔ یا یہ چیزیں سُنّتِ رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہی سے ہمیں معلوم ہو سکتی ہیں اور انہی کی مدد سے ہم یہ جان سکتے ہیں، کہ قرآن کا ٹھیک ٹھیک منشا کیا ہے۔

ماخذ قانون ہونے میں سُنّت کا درجہ قرآن کے بعد ہے۔ اس لئے کہ سُنّت قرآن کے اجمال کی تفصیل اور اس کے اشکال کی توضیح و تفسیر ہے لیکن یہ امر بھی پیش نظر رہے کہ قرآن سے دوسرے مرتبہ پر ہونے کے باوصف ایک جہت سے سُنّت بجائے خود ایک مستقل ماخذ تشریع ہے۔ کیونکہ سُنّت میں ایسے احکام بھی وارد ہوئے ہیں جو قرآن میں مذکور نہیں۔

مزید برآں قرآن مجید صاف و صریح الفاظ میں رسُول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم کو خدا کی طرف سے مقرر کیا ہوا معلّم مربّی پیشوا رہنما شارح کلام اللہ قاضی اور حاکم و فرماں روا قرار دے رہا ہے اور حضور ؐ کے یہ مناصب اس کتاب پاک کی رُو سے منصب رسالت کے اجزائے لاینفک ہیں۔ کلام الٰہی کی یہی تصریحات ہیں جن کی بنا پر صحابہ کرام کے دور سے لیکر آج تک تمام

مسلمانوں نے بالاتفاق یہ مانا ہے کہ مذکورہ بالا تمام حیثیات میں حضور علیہ السلام نے جو کام کیا ہے وہ قرآن کے بعد دوسرا ماخذ قانون ہے۔

۳۔ اجماع :۔ اسلامی قانون کا تیسرا ماخذ اجماع ہے۔ اجماع کی تعریف میں علماء کے اقوال مختلف ہیں۔ امام شافعیؒ کے نزدیک اجماع اس چیز کا نام ہے کہ "ایک مسئلے میں تمام اہلِ علم متفق ہوں اور کوئی ایک قول بھی اس کے خلاف نہ پایا جاتا ہو۔ ابن جریر طبریؒ اور ابوبکر رازیؒ کی اصطلاح میں اکثریت کا قول بھی اجماع ہے۔ امام احمدؒ جب کسی مسئلے میں یہ کہتے ہیں کہ ہمارے علم میں اس کے خلاف کوئی قول نہیں ہے تو اس کا مطلب یہ لیا جاتا ہے کہ امام صاحب موصوف کے نزدیک اس مسئلے میں اجماع ہے۔

اجماع کی حجیت ایک مسلّمہ امر ہے وہ اجماع کا وقوع و ثبوت ہے۔ خلافت راشدہ کے دور میں چونکہ نظم جماعت قائم اور شوریٰ پر مبنی تھا۔ اسلئے اس دور کے اجماعی فیصلے تو معتبر روایات سے ثابت ہیں لیکن بعد کے ادوار میں جب نظام جماعت درہم برہم اور شوریٰ کا طریقہ ختم ہوگیا تو یہ معلوم ہونے کا کوئی ذریعہ باقی نہ رہا کہ کس امر پر اجماع منعقد ہوا ہے اور کس چیز پر نہیں۔

اسی بنا پر خلافتِ راشدہ کے دور کا اجماع تو ناقابلِ انکار مانا جاتا ہے۔ مگر بعد کے ادوار میں اجماع کے دعویٰ کو ثابت کرنا بڑا مشکل ہے۔ عام طور پر یہ جو مشہور ہے کہ امام شافعیؒ یا امام احمد بن حنبلؒ سرے سے اجماع کے وجود ہی کے منکر تھے۔ یا کسی دوسرے امام نے اس کا انکار کیا ہے۔ یہ سب کچھ اس بات کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے جو اوپر بیان کی گئی ہے۔ امام شافعیؒ نے اس مسئلے پر مفصّل بحث کرکے یہ بتایا ہے کہ دنیائے اسلام کے پھیل جانے اور جگہ جگہ اہلِ علم کے منتشر ہوجانے اور نظام جماعت درہم برہم ہونے کے بعد اب کسی جزوی مسئلے کے متعلق یہ معلوم کرنا مشکل ہوگیا ہے کہ اس میں تمام علماء کے اقوال کیا ہیں۔ اس لئے جزئیات میں اجماع کا دعویٰ کرنا مشکل ہے البتہ اسلام کے اصول و ارکان کے بارے میں یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ ان پر اجماع ہے۔

اسی بات کو شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ یوں بیان کرتے ہیں:۔

"اجماع کے معنی یہ ہیں کہ کسی حکم پر تمام علماءِ مسلمین متفق ہو جائیں، اور جب کسی حکم پر تمام اُمت کا اجماع ثابت ہو جائے تو کسی شخص کے لئے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔ کیوں کہ پوری اُمت کبھی ضلالت پر متفق نہیں ہو سکتی۔ لیکن بہت سے مسائل ایسے ہیں جن کے متعلق بعض لوگ یہ گمان کرتے ہیں کہ ان میں اجماع ہے۔ حالانکہ در اصل اجماع نہیں ہوتا بلکہ دوسرا قول راجح ہوتا ہے۔

(فتاویٰ امام ابن تیمیہؒ)

۴۔ قیاس:۔ ایسے معاملات جن کے بارے میں شریعت نے کوئی حکم نہیں دیا ہے مگر ان سے ملتے جلتے معاملات کے متعلق وہ حکم دیتی ہے۔ اس دائرے میں قانون سازی کا عمل اس طرح ہوگا کہ احکام کی علتوں کو ٹھیک ٹھیک سمجھ کر ان تمام معاملات میں ان کو جاری کیا جائے گا۔ جن میں وہ علتیں فی الواقع پائی جاتی ہوں اس کو قیاس کہتے ہیں۔

فقہی احکام کے اثبات کے لئے قیاس کا مرتبہ کتاب وسنت اور اجماع کے بعد ہے۔ لیکن یہ اپنے دائرہ اثر کے لحاظ سے اجماع کے مقابلہ میں کہیں زیادہ وسیع ہے، اس کی وجہ یہ ہے کہ جزئیات وتفاصیل کے باب میں کتاب وسنت کی تصریحات محدود ہیں اور زیادہ تر اصول وکلیات ہیں، ادھر زمانہ رُو بہ ترقی ہے۔ حالات بدلتے جا رہے ہیں۔ زمانہ ہر نئی کروٹ کے ساتھ نت نئے تقاضے لیکر سامنے آتا ہے اور آتا رہیگا۔ اسلئے زندگی کے مسائل ومعاملات گوناگوں نوعیت کے ہیں۔ لہٰذا ان مسائل ومعاملات سے عہدہ برآ ہونے اور ان سے متعلق شرعی احکام کی تشخیص وتعیین کے لئے سوائے قیاس کے اور کوئی چارہ کار نہیں۔ نظر بریں نئے پیش آمدہ مسائل سے متعلق فروعی احکام کے اثبات کے لئے قیاس اسلامی قانون کا ایک وسیع الاثر ماخذ ہے۔

یہی وجہ ہے کہ جناب فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اپنے ایک مکتوب کے ذریعہ حضرت ابوموسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو لکھا تھا:۔

"تمہارے دل میں جب کسی ایسے معاملہ کے متعلق کھٹک ہو جس کا کوئی حکم کتاب وسنت میں موجود نہ ہو تو اپنے فکر ونظر کو کام میں لاؤ اور واقعہ کے سارے پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ کر بنظر غائر جائزہ

لو۔ پھران کے اشباہ و نظائر کو تلاش کرو۔ اس کے بعدان نظائر کو سامنے رکھکر قیاس کرو"۔
(اصول الفقہ للخضری)

کتاب و سنّت میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جہاں احکام سے متعلق نصوص وارد ہیں وہاں ان کی علت و غائیت کو بیان کر دیا گیا ہے۔ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہی تو ہے کہ ہر زمانے میں ان احکام کو اشباہ و نظائر کی حیثیت سے ملحوظ رہنا تھا۔ ارتقائے زمانہ کی بنا پر لازماً ہر دور میں قیاس سے سابقہ پیش آنا تھا۔ اسلئے کتاب و سنت نے بیان احکام پر اکتفا نہ کیا بلکہ انکی علت و غائیت کا تذکرہ کرکے قیاس کا دروازہ کھول دیا تاکہ منصوص کے ساتھ غیر منصوص کا الحاق کیا جاسکے اور اشتراک علت کی بنا پر از روئے قیاس غیر منصوص کا بھی وہی حکم قرار دیا جائے جو منصوص کا بیان ہوا ہے۔

قیاس کی مثال:۔ فقہ اسلامی میں قیاس کی مثالیں بیشمار ہیں۔ میں صرف ایک مثال پر اکتفا کرتا ہوں۔ کتاب و سنت میں چیزوں کی خرید و فروخت سے متعلق بکثرت احکام وارد ہیں۔ اسکے مقابلہ میں اجارہ (کرایہ پر دینا) سے متعلق بہت کم احکام ہیں فقہانے ان احکام کو بیع و شرا پر قیاس کیا ہے۔ کیونکہ اجارہ بھی ایک طرح کا بیع ہی ہے۔ اور دونوں کی علت ایک ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ اسلامی قانون میں قیاس کو کیا اہمیت حاصل ہے۔ امام شافعیؒ کے شاگرد رشید امام مزنیؒ نے بڑے بلیغ انداز میں قیاس کی اہمیت واضح کی ہے اور اسی پر اس بحث کو ختم کیا جاتا ہے۔ فرماتے ہیں:۔

"عہد نبویؐ سے لیکر عصر حاضر تک تمام فقہانے زندگی کے ان سارے معاملات میں قیاس سے کام لیا ہے جن کیلئے دینی احکام کے اثبات و اظہار کی ضرورت پڑی۔ لہذا قیاس سے انکار کی گنجائش نہیں کیونکر قیاس کا مفاد اسکے سوا کیا ہے کہ وہ ان امور پر روشنی ڈالتا ہے جن سے کتاب و سنت خاموش ہیں"۔

اجتہاد:۔ قانون سازی کا یہ سارا عمل جو اسلام کے قانونی نظام کو متحرک بناتا اور زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ اس کو نشوونما دیتا چلا جاتا ہے۔ ایک خالص علمی تحقیق ہی کے ذریعہ سے انجام پاسکتا ہے اور اسی کا نام اسلامی اصطلاح میں اجتہاد ہے۔ اجتہاد کو سعی کہتے ہیں مگر اصطلاحاً" اس سے مراد ہے یہ معلوم کرنیکی کوشش کہ مسئلہ زیر بحث میں اسلام کا حکم یا اس کا منشاء کیا ہے۔ اجتہاد کا مقصد چونکہ اسلامی قانون کو ٹھیک ٹھیک سمجھنا اور اسکی رہنمائی میں اسلام کے قانونی نظام کو زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ متحرک کرنا ہے۔ اسلئے ہر شخص اجتہاد کا اہل نہیں ہوسکتا بلکہ اسکے لئے گہری اہلیت و صلاحیت اور اسلامی قانون میں زبردست مہارت و بصیرت کی ضرورت ہے۔ مجتہد کن شرائط کا حامل ہوتا ہے یہ ایک جداگانہ موضوع ہے جس کی اس فرصت میں گنجائش نہیں ہے

اندکے غم دل باتو گفتم و ترسیدم ؛ کہ دل آزردہ نشوی ورنہ سخن بسیار است